OPEN ACCESS
Al-Duhaa
﴾Journal of Islamic Studies﴿
ISSN (print): 2710-0812
ISSN (online): 2710-3617
www.alduhaa.com

Al-duhaa, Vol.:1, Issue: 1,Jan -June 2020
DOI:10.51665/al-duhaa.001.01.0005 , PP: 11-24

اسلامی بین الاقوامی قانون - تعارف اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کے نظریات کا جائزہ

Islamic International Law -Introduction and Analysis of Dr. Mehmood Ahmed Ghazi's views in the field

Published: 10-07-2020
Accepted: 26-05-2020
Received: 25-04-2020

Muhammad Iqbal
Lecturer, Department of Islamic & Arabic Studies,
University of Swat, KPK
Email: iqbalkurvi@gmail.com

Nazakat Ali
Ph.D Scholar, Department of Islamic & Religious Studies,
The University of Haripur, KPK
Email: alinazkakat192@gmail.com

Abstract

Humans are social animals and, hence, want to live in close association with their fellow beings. But conflicts of interests are inevitable which lead to altercations. The same holds true for countries of the world; conflicts, if left unresolved, may lead to cold wars and armed battles. Since a war causes damage to the triumphant opponent too, it is always preferable to avoid it. Here comes the need and role of International Law. The principles, rules and regulations employed for resolution of conflicts are collectively called International Law. Islam, too, has defined principles and a code of conduct for dealing with nations of the world. Referred to as 'Islamic International Law', it has always been in practice and a lot of literature has been written on it in the second and third centuries. But we do not find considerable work on the interpretation and elaboration of Islamic International Law in the backdrop of the modern, developed and technological world. However, Dr. mehmood ahmed ghazi, a great contemporary researcher, historian and jurist, has made valuable contribution in this field. This article discusses the same.

***Key words**: International Law, Islamic International Law, Dr. Mehmood ahmed Ghazi.*

CC BY

تعارف اور قانون بین الممالک ایک ارتقائی جائزہ

”قانون“ یا ”ضابطہ“ اس اصل کا نام ہوتا ہے جس کو معیار مان کرانسان زندگی کے مختلف گوشوں کے معاملات طے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے حدود کو پامال کرنے کی وجہ نہیں بنتے نیز اپنے حصول مقصد میں سہولت اور آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور افراد کا آپس میں استحصال کی نوبت نہیں آتی۔انسان اپنی فطرت میں حیوانی اور ملکوتی دونوں صفات رکھتا ہے اس لئے کبھی ایسی نوبت ضرورُتی ہے ہے کہ جب اسے اپنے مفادات کا دفاع کرنا مقصود ہوں یا حصول مفاد کی خاطر کوشاں ہو تو دوسروں کے حدود اپنی خاطر پلانگ کر دوسروں کے استحصال کا موجب بن جاتا ہے۔انسانی تاریخ میں تحکیم و ثالثی کا تصور بھی بہت پرانا ہے اور جتنا یہ تصور پرانا ہے اتنا ہی اس تصور میں موجود اقربا پرستی اور اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر مناقشات و مقدمات اور تنازعات میں فیصلے کرنے کا رواج بھی پرانا ہے۔ قدیم تہذیبوں اور قبائلی فیصلوں سے لے کر آج کے جدید مہذب اور متمدن دنیا کے ثالثی، دوستانہ اور حریفانہ تعلقات اقوام و ممالک کے کسی معاملے میں مواقیف کو لے کر تحکیم و تائید یا معاونت کی جتنی بھی صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں ان میں یہ عنصر ضرور پایا جاتا ہے یعنی ”اپنا مفادات کو سامنے رکھ کر فیصلیں کرنا، کسی کا ساتھ دینا یا کسی کے موقف کو صحیح یا غلط قرار دینا“۔ اس لئے قانون وہ دائرہ یا خط امتیاز ہوتا ہے جس سے کہ اتنی بات یقینی ہو جاتی ہے کہ کوئی فرد، قوم یا ملک دوسرے افراد اقوام یا ممالک کا استحصال نہ کریں اسی بات کو ”Kant“ نے ”jurisprudence“ نامی کتاب میں ایک اور پیرآئے میں بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

> *"The chief purpose of law is the provision of a field of free activity for the individual without interference by his fellow men,"*[1]
>
> ترجمہ: ” قانون کا بنیادی مقصد فرد کے افعال اور کارکردگی کیلئے ماحول مہیا کرنا کے وہ دوسروں کے مداخلت سے آزاد ہو کر اپنے کام سرانجام دے سکے“۔

انسان جب سے اس دنیا میں آباد ہوا ہے قوانین کا سلسلہ تب سے شروع ہوا ہے یہ بات قیاس[2] کرکے کہی جا سکتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان مخلوقات میں سے ایک معاشرتی زندگی کا رجحان رکھنے والا مخلوق ہے۔ اور خالق کائنات[3] نے انسانوں کو جب سے پیدا کیا ہے زندگی گزارنے کا طریقہ بھی سمجھایا ہے اس کا خبر ہمیں وحی[4] دیتا ہے جیسے اللہ تبارک و تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾[5]

> ترجمہ: ”اور ہم نے اتارا آپکی طرف کتاب حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والا ہے اپنے سے ما قبل کتابوں کی اور ان پر محافظ و گواہ ہے فیصلہ کر ان میں اس کے ساتھ جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کے خواہشات کی پیروی نہ کر اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لئے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا“۔

اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسان نے ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں معاشرتی زندگی کیلئے کچھ معیارات یا اصول و ضوابط ضرور مانے ہیں بین الاقوامی قانون بھی انہیں معیارات کی طرح معاشروں اور اقوام کا آپس میں طے شدہ وہ قوانین ہوتے ہیں جس کو مد نظر رکھ کر دنیا میں بسنے والے اقوام آپس میں معاملات طے کرتے ہیں۔جب ہم انسانی تہذیب کے تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قانون کی بناوٹ اور طریقہ کار زمانہ قدیم میں خاندانوں کے سربراہان کے فیصلوں،

پابندیوں اور ہدایات سے شروع ہوتا ہے جس کیلئے مواد قبائل کے رسوم و رواج نے مہیا کیا۔ اور رواج قبائل کے ضروریات زندگی سے وجود میں آئے اور اسی طرح قانون کی داغ بیل پڑی پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا قوانین کا ارتقائی سفر چلتا رہا ہر قبیلے کا قانون دوسرے سے مختلف رہا احتیاجات و ضروریات مختلف ہونے کی بنیاد پر۔ اسی طرح قانون کا سلسلہ چلتے ہوئے موجودہ ہیئت تک پہنچا۔ عبد القادر عودہ[6] نے اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

> "قانون وضعی کی بنیاد اس وقت سے پڑتا ہے جب سے جماعتوں نے خود کو منظم کرنا شروع کیا تھا جماعتوں کے نظم کے ساتھ ہی قوانین وضعی بھی منظم ہوتے رہے اگرچہ اس حالت میں قوانین کافی کمزور ہوتے تھے قانونی اعتبارات سے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اور جماعتوں کے پھیلاؤ اور ترقی افکار کے ساتھ ساتھ یہ قوانین بھی ترقی کرتے رہے"۔[7]

گو قوانین اس بچے کے مانند رہے جو پیدائش کے وقت کی جسمانی کمزوری سے آہستہ آہستہ خلاصی پاتا ہے اور قوت و صحت حاصل کرتا ہے قانون وضعی بھی جماعتوں کے نمو اور احتیاجات کے ساتھ ساتھ ترقی کے زینے چڑھتا رہا۔ یہ آج کے قوانین وہ نہیں ہیں جو کبھی ابتداء میں تھے مگر ان قوانین نے آج کا وجود پانے کیلئے ایک طویل اور ہزاروں سالوں پر محیط مسلسل سفر طے کیا تب جاکر اس شکل میں پہنچا۔"

اسلام اور قانون بین الممالک

قانون بین الممالک یا قانون بین الاقوام کیلئے شریعت اسلامی میں جو نام مستعمل ہے وہ "سیر" کہلاتا ہے۔ امام سرخسیؒ نے سیر کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

"سیر اس طریق معاملت کا بیان ہے جو مسلمان دشمن علاقہ کے غیر مسلم اقوام کے ساتھ اور ان غیر مسلموں کیساتھ تعلقات میں اختیار کرتے ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدہ کرلیا ہو، جو مسلم علاقہ کے اندر خواہ عارضی طور پر مقیم ہوں یعنی مستامن[8] یا مستقل طور پر مقیم ہوں یعنی ذمی[9]۔ اور سیر میں مرتدین اور باغیوں کے ساتھ طریق معاملت کا بھی بیان ہے"[10]۔

اسلام کی ابتداء اور قانون بین الممالک

اسلام کے اولین دور میں ہی قانون بین الاقوام یا قانون بین الممالک کی داغ بیل پڑی اس سلسلے میں مکہ مکرمہ کے بیعت عقبہ اولی وثانی کی مثال دی جاسکتی ہے جو کہ خالصتاً بین الاقوامی نوعیت کے معاہدے تھے اس کے بعد مدینہ منورہ میں مسلم ریاست کے ساتھ ساتھ ہی وہ معاہدات جو رسول اکرم ﷺ نے مختلف قبائل سے اس وقت کئے جب وہ قبائل بالکل ایک خود مختارانہ نظام معاملت رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بدر اور احد کے غزوات میں نازل ہونے والے احکامات الٰہیہ اسلامی قوانین کی صورتیں ہیں جو بنیاد کی حثیت رکھتے ہیں جس پر کہ بعد کی اسلامی تاریخ میں بین الاقوامی معاملات طے پاتے گئے۔

اسلامی قوانین کے ماہرین جنہیں عرف عام میں فقہاء کہا جاتا رہا ہے نے اس موزوں پر بالکل ابتداء میں الگ حیثیت سے تو قلم نہیں اٹھائے مگر "سیرت" میں ان قوانین کو نہ صرف جمع کیا گیا بلکہ واقعات اور قوانین کی تطبیق کو گو ایک ساتھ مدون کرتے رہیں۔

بعد کے ادوار میں اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں "سیر" کے عنوان سے لکھی جانے لگیں۔

اس موضوع پر دستیاب سب سے قدیم کتاب کا نام "کتاب المجموع" ہے اس کتاب کو امام زید بن علی (متوفی ۱۲۰ھ)

نے لکھا۔

اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ نے ایک کتاب اس موضوع پر لکھی جسکا نام "کتاب السیر" یا سیر ابی حنیفہ مشہور ہوا۔ اس زمانے میں شام اور فلسطین کے مشہور فقیہ امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے موقف سے اختلاف کی بنیاد پر اس موضوع پر ایک کتاب سیر اوزاعی لکھی اسکے بعد امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے اپنے استاد کے موقف کی دفاع میں کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" لکھی۔

امام ابو یوسفؒ کی "الرد علی سیر الاوزاعی" آج موجود ہے لیکن مذکورہ بالا دونوں کتب ضائع ہو چکی ہیں اس بارے میں ہمیں اندازہ مشہور محدث و مؤرخ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحریروں سے ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کو امام شافعیؒ نے محفوظ کیا لیکن یہ اس موضوع پر مستقل بالذات کتاب نہیں اور پہلی دو کتابیں آج کے زمانے میں میسر نہیں اگر میسر ہوتی تو یہی سیر کے موضوع پر اولین لکھی گئی کتب ہوتیں۔

امام محمدؒ جو شاگرد ہیں امام ابو حنیفہؒ کے انہوں نے اسکے بعد امام ابو حنیفہؒ کی کتاب "کتاب سیر لابی حنیفہؒ" جو اپنے استاد سے پڑی تھی کچھ ترمیمات، محذوفات اور وضاحتی حواشی سمیت السیر الصغیر[11] کے نام سے شائع کرادی۔

جب یہ کتاب مروج ہوئی تو امام محمدؒ نے ایک اور کتاب السیر الکبیر اس موضوع پر لکھی جو اس موضوع پر مستقل بالذات کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے جامع کتاب ہے جسکے بارے میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے کہا تھا کہ میرے دور حکومت کی عظیم کامیابیوں میں سے ایک کامیابی یہ کتاب ہے۔

"شرح السیر الکبیر" اس سلسلے کی ایک اور مفصل اور مایہ ناز کتاب ہے جو ایک حنفی فقیہ امام سرخسیؒ نے لکھی جو تاشقند کے قریب اوزجند نامی علاقے میں قیام پذیر تھے یہ کتاب حالت قید میں لکھی گئی واقعہ یہ تھا کہ امام سرخسیؒ نے اس وقت کے حاکم اوزجند کے لوگوں پر لگائے گئے ٹیکس پر عدم جواز کا فتوی لگایا جس سے حاکم وقت ناراض ہوا اور مام سرخسیؒ کو قید کر لیا دوران قید امام صاحب کے شاگردوں نے امام صاحب سے امام محمدؒ کی کتاب (السیر الکبیر) پڑی جس کے دوران یہ شرح سامنے آئی یہ کتاب بنیادی طور پر امام محمدؒ کی کتاب السیر الکبیر کی شرح ہے اس کتاب میں شمس الآئمہ سرخسیؒ نے درجہ ذیل امور سے بحث کی ہے۔

1. کفار کے لشکر کے ساتھ معاملہ۔
2. خراج اور اس سے متعلق مسائل
3. سلطنتوں کے امراء کے آپس میں صلح اور دوستی سے متعلق معاملات
4. دارلکفر کا دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے داخلہ امان کی صورت میں اور انکے دارلاسلام میں نکاح سے متعلقہ مسائل جو پرائیوٹ انٹر نیشنل لاء کا موضوع ہے۔
5. مرتد کی سزا سے متعلق مسائل
6. غلاموں سے متعلق احکامات
7. ذمیین کا دارلاسلام سے معاہدہ تھوڑ کر دارلحرب کے ساتھ مل جانے کی صورت میں ان سے متعلقہ مسائل کا ذکر۔[12]

مذکورہ بالا تمام وہ احکامات ہیں جو اسلام کے بین الاقوامی قانون سے متعلق ہیں جن کو امام سرخسیؒ نے کتاب السیر کے

نام سے اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں قانون بین الاقوام کے

ضرورت واہمیت

قانون بین الممالک کی اہمیت ماضی کی بنسبت آج کی دنیا میں بہت بڑھ گئی ہے اور بڑھتی ہی چلی جائے گی جسکی بنیادی وجوہات یہ ہیں کہ آج دنیا کے ممالک ماضی کے بنسبت بہت قریب آچکے ہیں باہمی دلچسپی یا ضرورت کے امور بڑھ گئے ہیں جرائم کی نوعیات، اقسام اور تناسب ماضی کے مقابلے میں کافی زیادہ ھوگئے ہیں، ٹیکنالوجی کی ترقی یافتہ صورتیں آئے دن ریاستوں کے لئے نت نئے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔

دوسری جانب کنوینشنل قوانین کی نفاذ اور ریگولیشن نے امت مسلمہ میں ایک بے چینی کی سی کیفیت پیدا کردی ہے نہ صرف مذہبی قوانین کی عدم نفاذ کی صورت میں بلکہ انصاف کی عدم دستیابی کی وجہ سے بھی۔ایک اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین یا مغربی فلسفہ ہائے تعلیم ذدہ افراد جنکی اسلام کے متعلق سوچ یا فہم یہ ہے کہ اسلام آج کے دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

اب جب کہ دنیا کے غیر مسلم اقوام ایک قوم یا برادری کی صورت میں دنیا کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک ہی چھتری تلے جمع ہو چکے ہیں ۔ اور اس ضمن میں قانون سازی بھی کرچکے ہیں ان قوانین کو باقاعدہ مدون بھی کیا گیا ہے اور اس تدوین قانون اور عزم نفاذ قانون پر ایک طویل عرصہ بھی گزر چکا ہے اس دوران دنیا نے کئی جنگیں بھی دیکھ لیں ہیں اور عالمی برادری کے بنائے کئے قوانین، اسکے نفاذ اور نتائج بھی ملاحضہ کرچکے ہیں تو ایسی صورت حال میں یہ بات اور بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ انسانی عقل کے بنائے ہوئے دستور برائے اقوام عالم اور وحی کے دستور برائے اقوام عالم میں سے کس قانون فوقیت حاصل ہے یا باالفاظ دیگر دنیا کہ انسانوں کے مسائل کا اصلی اور حقیقی حل اجتماعی طور پر کہاں ممکن ہے؟۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا قانون بین الممالک کے حوالے سے کام

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب اسلامی تاریخ میں بین الاقوامی قانون پر کام کرنے والے فضلاء میں ایک نمایاں نام ہے جنھوں نے عصر حاضر میں قانون بین الاقوام پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہت عرق ریزی سے کام کیا۔ قانون بین الممالک آپکی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو بنیادی طور پر آپکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بین الاقوامی قانون پر پیش کئے جانے والے خطبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے ۱۹۹۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں پیش کئے تھے۔

ذیل میں آپ نے قانون بین الممالک کے جن گوشوں میں کام کیا ہے تحریر کئے جاتے ہیں۔

پرائیوٹ انٹرنشنل لاء

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے پرائیوٹ انٹرنیشنل لاء اور اس کے نکات کو بہت واضح اور آسان انداز میں دَورِ جدید کے حالات پر مُنطبق کرکے بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے تجاویز بھی دی ہیں جن کو درج ذیل سطور ضِمناً بیان کیا جائے گا۔

> "انٹرنیشنل لاء کا وہ شعبہ جو ان قوانین سے بحث کرتا ہے جو ممالک کے افراد کے مابین معاملات اور لین دین کو درست رکھتے ہیں۔"

مثلاً ایک مُلک کا کوئی فرد کسی دوسرے مُلک کے کسی فرد یا ادارے کے ساتھ کسی تیسرے مُلک یا دنیا میں کہیں بھی کوئی معاملہ کرتا ہے اور ان کے آپس میں کسی معاملے پر اختلاف کی کوئی صورت بنتی ہے تو ایسے میں یہ اختلاف کیسے دُور کیا جائے؟ کیا اُس مُلک کے قانون کی پیروی کی جائے جس میں معاملہ ہو رہا ہو؟ یا فریقین میں کسی ایک کے مُلک کی؟ اس کے علاوہ جو صورت بچتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے ممالک کے اپنے اپنے قوانین ہے جو ظاہر ہے ایک دوسرے سے مختلف ہونگے ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے جو قوانین وضع کئے جاتے ہیں ان کو پرائیوٹ انٹرنیشنل لاء کے تحت زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔[13]

مغرب میں یہ قوانین Conflict of Laws کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں اور اسلامی بینُ الاقوامی قانون میں فقہائے اسلام نے ان قوانین کو "تحارج" کا نام دیا ہے۔

تحارج

مغربی اقوام میں اس قانون کا تصوّر بالکل ابتداء سے نہیں پایا جاتا بلکہ جوں جوں معاملات سامنے آتے رہے باقی قوانین کی طرح اس قانون کی توضیع بھی ہوتی رہی۔ اسلام نے ابتداء سے ہی شخصی قوانین کو مُرتّب کرنا شروع کیا اور افراد کے لین دین اور معاملات کے لیے راہنمائی فراہم کی۔ اسلامی فقہ میں یہ قوانین مختلف ابواب میں مُتفرّق طور پر پائے جاتے ہیں جن کو بڑی آسانی سے جمع کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے دارُالِاسلام میں تحارج کی صورت میں مسائل کے حل سے متعلق بینُ الاقوامی اسلامی قانون کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

ا۔ اسلامی قوانین سے فیصلہ کرنا

اگر تنازعہ دارُالِاسلام میں ہو اور فریقین میں سے ایک یا دونوں ذِمّی ہوں، یا ایک ذِمّی اور ایک مُستامِن ہو تو دو صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو فریقین اپنا مسئلہ غیر مُسلِم عدالتوں[14] میں حل کرلیں، اور ایسی صورت میں اسلامی ریاست اس فیصلے میں کوئی دخل نہیں دی گی، یا پھر اسلامی ریاست سے انصاف کا تقاضہ کریں، اور ایسی صورت میں اسلامی عدالتیں اسلامی قوانین کی رُو سے معاملات کا فیصلہ کریں گی۔ اگر فریقین میں سے کوئی ایک یا دونوں غیر مُسلم ہوں تو اُن کے قوانین کی پابندی نہیں کی جائے گی۔

۲۔ اپنی متعلّقہ عدالتوں سے رُجوع کرنا

اگر دونوں فریق غیر مُسلم ہوں اور وہ اپنی متعلقہ عدالتوں سے فیصلہ کرانا چاہیں تو دارُالِاسلام میں ان کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے۔

۳۔ باہمی رضامندی سے غیر مُسلموں کا آپس میں کسی ایک فریق کے قوانین کو اختیار کرکے فیصلہ کرانا

اگر فریقین میں مذہبی فرق ہو، مثلاً جیسے ایک یہودی ہو اور ایک عیسائی، اور ان کا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اسلامی ریاست ان میں سے کسی ایک کے عدالتی قوانین کے موافق فیصلہ کرانے کا اختیار دیتی ہے۔[15]

شہریت

مسئلہِ شہریت پر ڈاکٹر صاحب نے بحث کی ہے کہ حقِ شہریت کِن اُصولوں کے تحت دی جاسکتی ہے اور کِن اُصولوں کے

تحت منسوخ کی جا سکتی ہے، مُعاصر دُنیا میں اس کا رِواج کیا ہے، اور اسلامی قانون کی رُو سے اس کے قوانین کیسے عمل میں لائے جاتے ہیں؟

- ایک مسلمان دُنیا کے خواہ کسی بھی منطقے کا رہنے والا ہو وہ دارُالِاسلام کا شہری ہے۔ وہ جیسے ہی دارُالِاسلام میں داخل ہوتا ہے اسلامی مملکت کا باشندہ بن جاتا ہے۔ اِس اُصول کا استنباط وہ امام محمدؒ کے اِس جُزیئے سے کرتے ہیں کہ "المسلم من اھل دارُالِاسلام آینما یکون۔"

(فقہی قائدہ) ان کا ماننا ہے کہ فقہائے اسلام نے ہمیشہ دارُالِاسلام کو ایک سیاسی وحدت تسلیم کیا ہے اور یہ اُصول ماضئ قریب کی عثمانی خلافت تک چلتا آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "مختلف حکومتوں اور ریاستوں کے باوجود جنھیں بیک وقت دارالسلام کہا جاتا تھا، دُنیائے اسلام میں مُشترک شہریت خود بخود حاصل ہوتی تھی۔ جوں ہی وہ کسی دوسری اسلامی ریاست میں قدم رکھتا تھا وہ خود بخود اس کا شہری شمار ہوتا تھا۔" [16]

حصولِ شہریت کے حوالے سے بعض فقہائے کرام نے مصلحتًا اور انتظامًا کچھ قواعد و ضوابط مُقرر کیے ہیں، مثلاً کوئی شہری جس نے دارُالِاسلام سے باہر دارُالحرب میں مستقلًا رہائش اختیار کی ہو وہ دارُالِاسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ باقاعدہ امان لے کر آئے اور جتنے دِن چاہے قیام کرے۔

اگر کوئی مسلمان مستقلا رہائش پزیر ہونے کے لیے دارُالِاسلام آنا چاہے تو اس کے لیے بعض فقہاء نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ کم از کم ایک سال دارُالِاسلام میں قیام کرے، اس کے بعد اسے مستقل شہریت حاصل ہو جائے گی۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کسی اسلامی ریاست کے مسلمان باشندے کے دوسری اسلامی ریاست میں داخل ہونے کے بعد اس کے یہ اعلان کر دینے سے ہی کہ وہ رہائش پذیر ہونا چاہتا ہے اُسے حقِ شہریت حاصل ہو جاتی ہے۔ [17]

شخصی حقوق

کوئی مسلمان جو دارُالِاسلام میں رہائش پذیر ہو اس کی جان، مال، عزت و آبرو کا تحفّظ اسلامی ریاست کے ذمے ہے، اور یہی شخصی حقوق کسی ذِمّی اور مُستامِن کو بھی حاصل ہیں۔ تاہم جو مسلمان دارُالِاسلام سے باہر قیام پذیر ہو اس کی اسلامی ریاست پر کوئی ذمہ داری نہیں بنتی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اس مؤقف کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے کرتے ہیں:

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ [18]

"تم پر ان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔"

ہاں اگر دارُالحرب کے مسلمان اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی میں دارُالِاسلام سے کوئی مدد طلب کرے اور دارُالِاسلام اور دارُالحرب میں اس ضمن میں کوئی معاہدہ نہ ہو تو دارُالِاسلام پر دارُالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی مدد کرنا فرض ہے۔

قانونی مساوات

اسلامی قانون میں عوام و خواص دونوں کو یکساں حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ یوں نہیں کہ حکمرانوں کے لیے الگ قانون، ضابطے، اور استثنائات ہوں اور عوام کے الگ، بلکہ اسلامی قانون کی نظر میں ہر طبقہ برابر ہے۔ اسلامی حکمرانوں کے عدالتوں میں

عام حیثیت سے پیش ہونے کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔

مُستامِن کی حصولِ شہریت کا مسئلہ (نیچرلائیزیشن)

مُستامِن اگر مسلمان ہو تو حصولِ شہریت سے متعلق مذکورہ بالا تفصیل کا اطلاق ہوگا۔ تاہم اگر کوئی مُستامِن غیر مسلم ذِمّی یا دارُالحرب سے آیا ہوا معاہِد ہو تو وہ دارُالاِسلام کی کسی خاتون سے شادی کرنے سے اُسے فی الفور شہریت حاصل ہو جاتی ہے اور ایک سال مُقیم رہنے کی شرط ختم ہو جاتی ہے۔[19]

تنسیخِ شہریت کے قوائد و شرائط

- کوئی قبیلہ، گروہ یا خاندان دارُالاِسلام چھوڑ کر مستقلاً کسی اور منظقے میں جا بسے
- ارتداد
- ذِمّی اجتماعی طور پر جزیہ کی ادائیگی سے انکار کرے
- معاہد کی اسلامی ریاست کے ساتھ طے شدہ قوانین یا معاہدے کی خلاف ورزی
- کوئی غیر مسلم مسلمان عورت کی عزت وآبرو کی توہین کرے
- مسلمانوں کے خلاف سازش یا جاسوسی کرے اور دشمن کو خبریں پہنچائے
- اسلامی ریاست کے قوانین اور احکامات ماننے سے انکار
- شعائرِ اسلام کی توہین
- اسلامی ریاست کے دشمنوں کو پناہ دینا
- توہینِ رسالت
- اسلام سے برگشتہ کرنا اور مرتد ہونے کی تبلیغ کرنا

سفارتکاری اور تجارت

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے سفارتکاری کے قوانین کو استعمال کرتے ہوئے ریاستی استحکام اور معاصر دُنیا کے اُمور میں موثّر کردار کی ادائیگی سے متعلّق رہنمائی دی ہے۔ ان کا خیال ہے سفارتکاری موجودہ دُنیا کی طاقت ہے۔ ان کے خیال میں قابل، باکردار اور مخلص سفراء دُنیا کے معاملات پر مثبت طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ بہترین سفارتکاری میدانوں میں ہاری ہوئی جنگ جتوا سکتی ہے۔

اِسی طرح تجارتی طاقت عالمی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آج کی دنیا میں عالمی بینک اور بینُ الاقوامی تجارتی کمپنیاں تجارت کی آڑ میں مُلکوں کے پالیسیوں پر اثرانداز ہو رہی ہیں۔ ماضیٔ قریب میں ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور آج کی ملٹی نیشنل کمپنیاں اسکی مثالیں ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ مسلمان مُتّحد ہو کر اگر اپنے سرمائے کو طاقت کی صورت دیں تو تجارت دنیا پر اثر انداز ہونے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

ماضی میں مسلمان سفارتکاروں اور تُجّار نے بین الاقوامی قانون کے اُصول پر عمل کرکے مثبت نتائج حاصل کیے ہیں اور یہ اب بھی ممکن ہے۔[20]

تصوّرِ وحدت

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب دَورِ جدید میں مسلمانوں کے لیے اس بات کو بڑی اہمیت اور دردمندانہ انداز میں دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان ممالک کو اپنی ایک وحدت بنانی چاہیے جس کے ذریعے خلافت کا شعبہ فعّال ہو کر ایک ناقابلِ تسخیر قوّت بن سکتا ہے جو مسلمانانِ عالم کے مفادات اور دنیا اسلام کے عزائم اور خواہشات کی اسلام کی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی ثقافت و تہذیب کی روشنی میں تکمیل کرے۔ مُسلمانوں کی مجروح ساکھ کو بحال کرنے کے لیے غازی صاحب نے جو تجاویز پیش کی ہیں ان میں مندرجہ ذیل اُمور شامل ہیں جنھیں موصوف نے باقاعدہ مثالیں دے کر واضح کیا ہے:

۱۔ بینُ الاقوامی تعلّقات میں نظریۂ اسلام کی بالادستی

۲۔ اسلامی نظریئے کی نشرواشاعت

۳۔ ملّی وقار کا تحفّظ

۴۔ مسلم اقلیتوں کی فلاح و بہبود پر توجّہ اور ان کی دینی، ثقافتی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل

۵۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے ضروری وسائل کی فراہمی

۶۔ باہمی تجارت کا فروغ

۷۔ موثّر سفارتکاری

۸۔ مشترکہ دولتِ اسلامیہ کا قیام

۹۔ اسلامی دولتِ مشترکہ کے سربراہ کی نامزدگی یا انتظامی بورڈ کا قیام جو پالیسی متعیّن کرے اور لائحۂ عمل پیش کرے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے مندرجہ بالا سفارشات دنیا میں اسلامی ممالک کی وحدت کے قیام اور اسلامی بین الاقوامی قوانین کے صحیح نفاذ میں بہت معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

موجودہ بینُ الاقوامی قوانین ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی نظر میں وہ معاہدات ہیں جو صرف طاقتور اور بالادست فریق کے مفادات کے حصول کے لئے کیے جاتے ہیں، اور اگر کمزور اور زیرِ دست فریق کے مفاد میں کوئی معاہدہ ہو بھی جائے تو اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں ماضی کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ان کے خیال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم اُمّہ ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرکے دُنیا کو الہیاتی قوانین کی حکمتوں اور برکات کی جھلک دکھائیں تاکہ انسانیت کو احساس ہو جائے کہ دُنیا کے امن وسکون کا حل اسلام کے قوانین برائے اقوامِ عالم میں موجود ہے۔[21]

تحکیم و ثالثی

تحکیم و ثالثی سے مراد دو متعارض یا باہم متصادم فریقین کے اختلافی معاملے کے حل کے لیے کسی تیسرے فریق کی بطور مُنصِف یا صالح تقرّری ہے۔ آج کی دنیا میں یہ کام بظاہر اقوامِ مُتّحدہ کا ادارہ کر رہا ہے اور دُنیا کی اقوام نے اس ادارے کا قیام ٹھیک اسی مقصد کی خاطر کیا تھا۔ اس سے قبل پہلی جنگِ عظیم کے فوراً بعد انجمنِ اقوامِ عالم کا قیام بھی اسی مقصد کی خاطر تھا، مگر افسوس کہ دُنیا کو جو باور کرایا گیا تھا معاملہ اس سے بر عکس تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ عالم نے دیکھا کہ جرمنی اور ترکی کے بٹوارے کر دیئے گئے اور یہ کام کسی اور قانون کے تحت نہیں بلکہ اقوامِ عالم کے مفاد کے لیے قائم کردہ "انجمنِ اقوامِ عالم" کی مُہر سے کیا گیا۔ ایک ایسے ادارے کا وجود ظاہر ہے کب تک ٹِک پاتا۔ بالآخر یہ ادارہ ختم ہی ہو گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ عالم نے انسانیت کے حقوق کی خاطر اقوامِ مُتّحدہ کا ادارہ قائم کیا جو شاید اقوامِ عالم کے مابین تحکیم و ثالثی کی اعلیٰ انسانی خدمت کر سکتا تھا۔ بظاہر اس ادارے کے مقاصد بھی یہی تھے کہ ہم دنیا میں امن و انصاف چاہتے ہیں، لیکن دوسری جنگِ عظیم کے بعد پیش آنے والے واقعات نے اس کی نفی کر دی، مثلاً جرمنی اور جاپان کے ساتھ اقوامِ مُتّحدہ کا رویہ، جو ہر گز مبنی بر انصاف نہ تھا؛ نہ تو انجمنِ اقوامِ عالم نے جرمنی اور ترکی کے ساتھ اور نہ ہی اقوامِ مُتّحدہ نے جرمنی اور جاپان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا۔

افغان و عراق جنگ صومالیہ، بوسنیا، فلسطین، کشمیر اور اب برما کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم میں اقوامِ مُتّحدہ کا ناقص بلکہ ناپید کردار دُنیا کے سامنے ہے۔ اب تک یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان دونوں اداروں کا قیام مُقتدر اور طاقتور اقوام کے مفاد کو قانونی حیثیت دینا، یا ان کے ظلم کو دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا ہے۔

عرب میں تحکیم و ثالثی کے ادارے کا کام بہت پہلے سے رائج تھا۔ اسلام کے ظہور کے وقت بھی یہ ادارہ "منافرہ" کے نام سے موجود تھا، اور اس ادارے کے سربراہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس ادارے کا کام اُس وقت کے قبائلِ عرب کے مابین اختلافات کو دُور کرنا تھا۔ اسلام کے بینُ الاقوامی قوانین میں تحکیم و ثالثی کا نہ صرف اثبات ہے بلکہ رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ مُطہّرہ میں اس کی مُتعدّد مثالیں موجود ہیں۔

قرآن مجید میں سورۃُ الحُجرات میں ارشاد ہے:

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝۹﴾[22]

"اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ گروہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں صلح کراؤ۔ اور عدل کرو؛ بے شک عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں۔"

علاوہ ازیں، قرآن میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴾ [23]

"بے شک ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ؛ اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

﴿وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ﴾ [24]

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔"

مندرجہ بالا قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اپنے بینُ الاقوامی قانون میں تحکیم و ثالثی کو کتنی اہمیت دیتا ہے اور اس کا کیا معیار مقرّر کرتا ہے۔ اللہ ربُّ العزّت نے عدل کا محض حکم نہیں دیا بلکہ اس پر انعام بھی رکھا ہے تاکہ لوگ فقط حکم کی تعمیل برائے تعمیل نہ کریں بلکہ رغبت کے ساتھ اس اخلاقی فریضے کی ادائیگی کریں۔ رسول کریم ﷺ کی حدیثِ مُبارکہ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْمُقْسِطِينَ فِي الدُّنْيَا عَلَى مَنَابِرَ مِنْ لُؤْلُؤٍ بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمَنِ، بِمَا أَقْسَطُوا فِي الدُّنْيَا [25]

"دُنیا میں انصاف کرنے والے اللہ کے ساتھ موتیوں کے ممبروں پر ہوں گے؛ یہ اُس عدل و انصاف کا اجر ہوگا جو وہ دُنیا میں کرتے تھے۔"

رسول اکرم ﷺ کا قبلِ نبوّت حجرِ اسود میں حَکَم کا کردار، بنو قُریضہ کے معاملے میں حضرت سعد بن عُبادہؓ کو بحیثیت حکم تقرری، جنگِ بدر کے قیدیوں کے معاملے میں عدی ابن ابی مُطعم کے بارے میں اظہارِ تحکیم، یہ ساری وہ مثالیں ہیں جن سے اسلام کے قانون بینُ الاقوام میں تحکیم و ثالثی کے اِثبات اور اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ معنویت کا پتہ چلتا ہے۔

نتائج البحث

ا۔ انسانیت کی فلاح و سلامتی کے حوالے سے اسلام کی جو فکر ہے، اور اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جو نظام ہے، وہ دُنیا کے مسائل کا حقیقی حل ہے۔

۲۔ ایسے اقدامات کرنا کہ دُنیا کو اسلام کے بینُ الاقوامی برادری سے متعلق قوانین کو تحقیقی اور غیر مُتعصّب انداز میں دیکھنے کا موقع مل جائے، اور ان قوانین کو اپنے ہاں رائج کرنے کے لیے قائل کرنے والی صورتوں کا انتظام کرنا۔

۳۔ دُنیا کے مسئلۂ بدامنی کا خاتمہ اور امن کے قیام کے لیے اسلام کے قوانین برائے اقوامِ عالم سے آگاہی کی عملی صورتوں کا انتظام کرنا۔

۴۔ ضرورت اس امر کی ہے عالمی قوانین برائے اقوامِ عالم پر اقوامِ عالم کو جمع کرکے ایک تنفیذی قوّت کی مدد سے عمل درآمد کو یقینی بنایا جاسکے تاکہ مغرب کی تعریف برائے قانون پر پورا اُتر کر یہ قانون کی حثیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بسنے والے اقوام کے لیے قابلِ اعتماد بھی ہو جائے اور امن و امان کی صورتِ حال کے لیے ضمانت بھی۔ [26]

۵۔ اسلامی بینُ الاقوامی قانون کے شعبہ "تحارج" یا پرائیوٹ انٹر نیشنل لاء کے اصولوں کے مطابق توہینِ رسالت کے مرتکبین اور لبرلزم اور سیکیولرازم کا پرچار کرنے والوں کو اسلامی مملکت کے رہائشی حقوق اور حقِ شہریت سے محروم کر دینا چاہیے کیونکہ اِن نعروں کا نتیجہ بالآخر اسلام دشمنی اور اسلام سے بدظنی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرکے ان کو مُرتد ہو جانے کی تلقین کرے تو اُس کی شہریت منسوخ کر دینی چاہیے عصر حاضر میں اگر اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو ریاستی اداروں کو انکی اصلاح کو یقینی بنانا چاہیے۔[27]

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

[1] Mahajan, "Principles of Jurisprudence."p588 (1962).

[2] قیاساس لئے کہ انسانی مدون تاریخ دنیا میں انسانی آبادکاری سے بہت بعد میں مدون کی گئی ہے۔

[3] خالق کائنات اس تناظر میں جسمیں انسان سماوی ادیان کے متبعین ہیں۔

[4] الہیاتی شریعت کا وہ ذریعہ یا واسطہ جس سے شریعت اترتی ہے۔

[5] المائدۃ:48

Al Mā'idah: 48

[6] شیخ عبد القادر عودہ شہید مصری رحمۃ اللہ علیہ (1906ء – 1954ء) عالم اسلام کے مشہور انقلابی مفکر و راہ نما تھے۔

[7] عبد القادر عودۃ، التشریع الجنائی الإسلامی مقارناً بالقانون الوضعی، دار الکاتب العربی، بیروت، ج:۱، ص:۱۵

'Abdul Qādir 'Awdah, Al Tashrī' al Janā'ī al Islāmī Muqāranam bil Qānūn al Waḍ'ī, (Beirūt: Dār al Kātib al 'Arabī), Vol:1, P:15.

[8] اسلامی ریاست کے ساتھ برسرجنگ ریاست کا باشندہ جسے مسلم علاقہ میں داخلہ کی اجازت و امان دی گئی ہو۔

[9] اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا۔

[10] ”(قَالَ) الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْأَجَلُّ الزَّاهِدُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ وَفَخْرُ الْإِسْلَامِ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ السَّرَخْسِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - اعْلَمْ أَنَّ السِّيَرَ جَمْعُ سِيرَةٍ وَبِهِ سُمِّيَ هَذَا الْكِتَابُ لِأَنَّهُ بَيَّنَ فِيهِ سِيرَةَ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُعَامَلَةِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَمَعَ أَهْلِ الْعَهْدِ مِنْهُمْ مِنْ الْمُسْتَأْمَنِينَ وَأَهْلِ الذِّمَّةِ وَمَعَ الْمُرْتَدِّينَ“۔

الامام سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ج:۱۰، ص:۲

Al Imām Sarakhsī, Muḥmmad bin Aḥmad, Al Mabsūṭ, (Beirūt: Dār al Ma'rifah, 1414), Vol:10, P:2.

[11] اس زمانے کا دستور تھا کہ شاگرد اپنے استاد سے کتاب پڑھتے وقت اس کتاب پر حاشیے یا اضافی وضاحتی نوٹس چڑھایا کرتے تھے۔

[12] تفصیل کیلئے دیکھئے: المبسوط لامام سرخسیؒ، ج:۱۰، ص:۳۰

Al Imām Sarakhsī, Al Mabsūṭ, Vol:10, P: 30.

[13] غازی، محمود احمد، خطبات بہاولپور، ص: ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵

Ghāzī, Mahmūd Aḥmad, Khuṭbāt Bahāwalpūr, P:493, 494, 495.

[14] اگر اسلامی حکومت چاہے تو غیر مسلموں کو عدالتی خود مختاری دی جا سکتی ہے اسکے لئے دلیل غازی صاحب نے سورۃ مائدہ کی آیت ۴۷ دی ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث "و ان لیس علیکم امیرالا من انفسکم" دیکھئے: خطبات بہاولپور، ص:۴۱۸

Khuṭbāt Bahāwalpūr, P:418.

[15] خطبات بہاولپور، ص:۴۱۷، ۴۱۹، ۴۱۸

Khuṭbāt Bahāwalpūr, P:417, 418 ,419.

[16] ایضاً، ص:۳۹۷

Ibid, P:397.

[17] ایضاً، ص:۳۹۸

Ibid, P:398.

[18] الانفال:۷۲

Al Anfāl, 72.

[19] خطبات بہاولپور، ص:۳۹۹تا۴۰۵

Khuṭbāt Bahāwalpūr, P: 399 to 405.

[20] ایضاً، ص: ۴۲۳تا۴۵۰

Ibid, P: 423 to 450.

[21] ایضاً، ص: ۴۳۳تا۴۷۰

Ibid, P: 433 to 470.

[22] الحجرات:۹

Al Ḥujurāt, 9.

[23] الحجرات:۱۰

Al Ḥujurāt, 10.

[24] النساء:۵۸

Al Nisā, 58.

[25] ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج:۷، ص:۳۷۵

Abū al Fidā, Ismā'īl bin 'Umar bin Kathīr, Tafsīr Ibn Kathīr, Vol:7, P:375.

[26] لیکن ظاہر ہے آج کی دنیا کے تناظر میں ایسا ممکن دیکھائی دیتا نہیں کہ اصل مسئلہ قانون کا نہیں بلکہ تنفیذی قوت کا ہے اور تنفیذی قوت کو اگر اقوام عالم سے توقع کرایا جائے تو ایسا اسلیئے ممکن نہیں کہ آج اگر ایک قوم طاقت میں ہے تو کل دنیا کی دوسری اقوام نے اسے حاصل کرنا ہے۔اسکی صحیح بنیاد مادی قوتوں کی بجائے اعتقادی ہونے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے جسکی نظیر اسلامی قانون بین الاقوام ہے۔

[27] خطبات بہاولپور، ص: ۴۰۸

Khuṭbāt Bahāwalpūr, P: 408.